قراۃالعین حیدر کے ناولوں میں ہندی مذہبی وسماجی تہواروں کی اساطیر

شبیر احمد پی ایچ ڈی (اُردو)، سکالر، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

ڈاکٹر محمد الطاف یوسف زئی ایسوسیٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

ڈاکٹر یوسف میر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی، مظفر آباد

ABSTRACT:

Indian culture is known as the richest culture in the world and Hindus celebrate these religious festivals throughout the whole year. Basically, these festivals include different religious ceremonies, worship, dance, music, prayer, food, traditional dresses and other activities. Most of these festivals are based upon the mythological and religious stories which are associated with many Hindu gods, goddesses and important personalities of religion. Hindus believes that the original purpose of these festivals is to purify their inner soul and to strengthen their relationship with their gods and goddess. In this article, important and most celebrated festivals of Hindu culture have been discussed in detail. Some important festivals are Ganesh Chaturthi, Diwali, Holi, Durga Puja, Naag Panchami, Shivratari, Lohri, Raksha Bandhan, KarvaChauth, RathYatra, KumbhMela etc. These festivals bring harmony and brotherhood among the masses of the country.

ہندوستانی سماج میں سال بھر میں مختلف قسم کے ان گنت مذہبی، روایتی، ثقافتی اور سماجی تہوار منائے جاتے ہیں اور اسی بنا پر ہندوستان کو تہواروں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تہوار کچھ تو مذہبی نوعیت کے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو صرف مخصوص خطے میں منائے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں تہوار کے لیے "اُتسو" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس کے معنی "خوشی اور جشن" کے ہیں۔ "تہوار" کے لیے "تیوہار" کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اکثر تہوار ہزاروں سال سے منائے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ کچھ مذہبی روایات منسوب ہیں۔ کچھ تہوار دیوی اور دیوتاؤں کی نسبت کی وجہ سے بھی منائے جاتے ہیں۔ تہواروں کے ایام اور بنیاد کے حوالے سے بھی ہندوؤں میں کئی اختلافات موجود ہیں اور تمام حلقے ہر تہوار پر متفق نہیں ہیں کہ وہ کس واقعے کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ اگر تمام ہندو کسی تہوار پر متفق بھی ہوں پھر بھی اس تہوار کے پس

پردہ جو روایت، اساطیری کہانی یا قصے موجود ہوتے ہیں ان کی صحت اور مستند ہونے کے بارے میں بھی اختلافِ رائے موجود ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جو تہوار زیادہ جوش و خروش ، مذہبی عقیدت اور جذبے کے تحت منائے جاتے ہیں اُن میں دیوالی، ہولی، نوراتری، بسنت پنچمی، رکھشا بندھن اور مہاشیوراتری زیادہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اور تہوار بھی ہندوستان میں منائے جاتے ہیں اور جن کی نسبت ہندو دھرم سے ہے لیکن وہ علاقائی طور پر منائے جاتے ہیں ان میں رام نومی (شری رام کی ولادت کا دن)، ہنومان جینتی (ہنومان کی ولادت کا دن) اور گنیش چترُ تھی (گنیش دیوتا کی ولادت کا دن) شامل ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان جب خوش ہوتا ہے تو وہ اپنی خوشی کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور جشن اور تہوار منانا بھی ایک طرح کی خوشی کا اظہار ہے۔ اگر ان تہواروں کی وجہ تسمیہ اور ان کے پس پردہ حقائق کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم دور چونکہ زرعی دور تھا اور لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا اسی حوالے سے وہ لوگ مختلف قسم کے تہوار بھی مناتے تھے۔ ہندوستانی تہواروں نے اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی رسمیں بھی شامل ہو چکی ہیں لیکن ان کے باوجود ان رسومات میں ہندوستانی ثقافت اور تہذیب کی خوبصورتی اور مذہبی جوش و خروش نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے ۔سبطِ حسن اپنی کتاب "ماضی کے مزار" میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "وادی دجلہ و فرات، وادئ سندھ، مصر، اناطولیہ، یونان، شام و فلسطین اور ایران کی پرانی قومیں بھی تخلیق کی قائل تھیں۔ لیکن ان کے نزدیک تخلیق ایک مسلسل عمل تھا۔ یہ عمل ہر سال موسم بہار میں شروع ہوتا تھا اور موسمِ سرما کے آغاز پر ختم ہو جاتا تھا۔ تب کائنات پر تخریب اور موت کی طاقتیں غالب آ جاتی تھیں۔ وہ دیکھتے تھے کہ سبزہ، پھل، پھول اور اناج کے پودے موسمِ باہر کی آمد پر نمودار ہوتے ہیں اور جب سردیاں آتی ہیں تو کائنات پر مردنی چھا جاتی ہے۔ گویا تخلیق اور تخریب کی طاقتوں میں مسلسل پیکار رہتی ہے۔ قدیم انسان نے تخلیق کی طاقتوں کو خیر سے تعبیر کیا اور تخریب کی طاقتوں کو شر سے مگر خیر و شر کا یہ تصور سماجی تھا اخلاقی نہ تھا۔ یعنی جن طاقتوں سے انسان کو اپنی سماجی زندگی کی بقا اور ترقی میں مدد ملتی تھی انسان نے ان کو خیر قرار دیا اور جن طاقتوں سے اس کی سماجی زندگی میں خلل پڑتا تھا ان کو شر کا نام دیا۔ چنانچہ جب بہار کا موسم آتا تھا اور زندگی موت کی گرفت سے آزاد ہوتی تھی تو یہ لوگ خوشی کے ناچ ناچتے تھے، خوشی کے گیت گاتے تھے اور خوشی کے تیوہار مناتے تھے۔ ان کے تمام رسوم و

رواج اور جادو منتر تخلیق کے اسی بنیادی تصور کے گرد گھومتے تھے۔ان کا عقیدہ تخلیق افزائشِ نسل و فصل کے سماجی محرکات کا عکس تھا۔"(1)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب آریا ہندوستان میں داخل ہوئے تو انھوں نے یہاں کے مقامی باشندوں پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے بہت سے ایسے اقدام کیے جن کا مقصد مقامی آبادی کو اپنا غلام بنانا تھا۔چنانچہ اپنی طاقت اور ثقافت برتری کی بنیاد پر انھوں نے ہندوستان کی مقامی آبادی کو اپنا غلام بنالیا اور انھیں اپنے زیرِ تسلط رکھنے کے لیے ہر وہ قدم اٹھایا جس وہ زیر ہو گئے لیکن انھیں اس معاشرے میں کوئی خاص حیثیت حاصل نہ تھی۔انھیں مذہبی رسومات میں شرکت کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی وہ کسی ہتھیار کو ہاتھ لگا سکتے تھے۔انھیں ملکیت کا حق حاصل نہ تھا بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگی مویشیوں سے بدتر تھی۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان سماجی پابندیوں میں کچھ کمی واقع ہونے شروع ہو گئی اور اکثر تہواروں میں مقامی باشندوں کی شمولیت کا بھی ذکر ملتا ہے۔ہندو سماجی تقسیم کی وجہ سے کچھ تہوار بڑی ذاتوں اور کچھ چھوٹی ذاتوں کے لیے مخصوص کر دیے گئے۔ذیل میں ان تہواروں کی اہمیت،بنیاد اور ان سے منسوب اساطیری عناصر پر بحث کی جائے گی۔

ہولی:

ہولی کو رنگوں کا تہوار بھی کہا جاتا ہے اور ہندوستان میں دیگر بڑے تہواروں کی طرح یہ بھی ایک اہم تہوار ہے جو ہر سال پھاگن کے مہینے میں پورنیما یعنی پورے چاند کے دن منایا جاتا ہے۔یہ دو دن کا تہوار ہے اور تقریباً ہر ذات کے ہندو اس تہوار کو مناتے ہیں۔مختلف رنگوں کے گلال ایک دوسرے پر پھینکے جاتے ہیں اور سب کو زبردستی رنگوں میں نہلایا جاتا ہے۔کچھ اساطیری روایات میں اس تہوار کو شودروں کے ساتھ بھی منسلک کیا جاتا ہے لیکن اب یہ تفریق تقریباً ختم ہو گئی ہے اور ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی اکثر اس تہوار میں شریک ہوتے ہیں۔اس تہوار کے حوالے سے ہندو مذہب میں مختلف اساطیری اور دیومالائی کہانیاں مختلف مقدس اور مذہبی کتابوں میں درج ہیں۔ہولی کے بارے میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

"ہولی دراصل ایک دراوڑی تیوہار ہے جسے بعد میں آریوں نے بھی اپنا لیا۔پورانک روایتوں کے مطابق وشنو بھگوان نے ہندوؤں کی چار بڑی ذاتوں کے لیے چار تیوہار مقرر کیے تھے۔راکھی پورنیما برہمنوں کے لیے،دسہرہ کھتریوں کے لیے،دیوالی ویشوں کے لیے اور ہولی شودروں کے

لیے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانوں کے زمانے تک ہولی کا رواج صرف شودروں میں یا نچلے طبقے کی ذاتوں میں تھا۔رفتہ رفتہ ہندو مذہب نے جو مفاہمت اور موافقت کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے، ہولی کو بھی اپنے تہذیبی تیوہاروں میں شامل کر کے اونچا درجہ دے دیا۔"(2)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ہندواساطیری روایات کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی تصدیق کی ہے۔دراصل ہولی کا تہوار آریاؤں کی آمد سے پہلے موجود تھا جسے بعد میں آریا نے بھی اپنالیا۔آریا نے نسل اور ذات کی بناپر انسانوں کو تقسیم کر دیا اور ہندوؤں کو چار طبقات برہمن، ویش، کھشتری اور شودر کا نام دیے دیا۔دراوڑی قوم کے باشندے چونکہ سیاہ فام تھے اور کمزور اور نچلے درجے کے لوگ ہونے کی مناسبت سے انھوں نے اس تہوار کو بھی انھی کے ساتھ منسوب رہنے دیا۔لیکن اس کے برعکس جو روایت زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ وشنو بھگوان نے ہندوؤں کی چاروں ذاتوں کے لیے الگ الگ تہوار مقرر کیے جن میں راکھی پورنیما برہمنوں کے لیے، دسہرہ کھشتریوں کے لیے، دیوالی ویشوں کے لیے اور ہولی شودروں کے لیے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدامیں یہ تہوار صرف اور صرف شودروں کے لیے مخصوص تھا۔

اگر اُردو ادب کی مختلف اصناف کو عمیق نظر سے دیکھا جائے تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ غزل، نظم، افسانے اور ناول میں ہندو مذہبی اساطیر کے عناصر استعمال ہوئے ہیں اور شاعروں اور ناول نگاروں نے اپنی تحریروں میں ان عناصر سے استفادہ کیا ہے۔قراۃ العین حیدر نے بھی اپنے ناولوں میں ہندو مذہبی اور ثقافتی عناصر کو زیر بحث لایا ہے۔قراۃ العین حیدر اپنے ناول "چاندنی بیگم "میں "ہولی "کے بارے میں لکھتی ہیں:

"ہولی کے روز بُوٹی گھوٹتے اور لہک لہک کر گاتے۔بٹّو بیگم بھنگ کی سر سبز کھیتی کا صفایا کرواتیں وہ پھر اُگ آتی۔بھینسوں کا باڑہ کچن گارڈن کے نزدیک تھا۔ہرن اور نیل گائے بھی وہیں پلے ہوئے تھے جو قنبر میاں کے شکاری دوست رگھبیر پرشاد سنگھ نے ان کو لا کر دیتے تھے۔بیرسٹر صاحب بھی شکاری تھے، جنگلوں سے واپسی پر ہرن کے کباب کی دعوت کی جاتی۔رمضانی جب کباب بناتے الحمد و فلسفیانہ انداز میں کہتیں اس بے زبان جناور کے نصیب! سادھو اس کی کھال پر بیٹھیں۔شاعر اس کی آنکھوں پر کبت بناویں۔۔۔۔۔۔ دُکھیا جل کر کباب۔"(3)

ہولی کے بارے میں جو قصہ مختلف کتابوں میں ملتا ہے اس کے مطابق ہریکشپ جو کہ ایک طاقتور دیو یا بادشاہ تھا اس نے یہ حکم جاری کیا کہ اب کوئی بھی خدا کا نام نہ لے اور نہ ہی اس کی عبادت کرے کیونکہ وہ خود خدا ہونے کا دعویدار تھا اور اس نے لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا۔ وہ ایک ظالم اور طاقت ور ہونے کے ساتھ خدائی کا دعویدار بھی تھا اسی لیے لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اس کی عبادت کرتے تھے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے جبکہ اس کا بیٹا جو کہ ایک خدا کا ماننے والا تھا اور حق پرست تھا۔ اس نے اپنے باپ کے حکم کی مخالفت کی اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ہریکشپ کو اس کی یہ بات بہت بری لگی اور اس کو سخت غصہ آیا اس نے اس کے لیے سخت سزا کا حکم سنایا۔ لیکن بادشاہ کے بیٹے کو اس سزا سے کوئی فرق نہ پڑا اور وہ یہ سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس شہزادہ کی ایک بہن تھی جس کا نام ہو لیکا تھا اس نے اپنی بھائی کو یہ قوت بخشی کہ آگ اس پر کوئی اثر نہ کرے گی اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچائے گی۔ جب ہریکشپ کو پتہ چلا تو اس نے بھائی کے ساتھ بہن کو بھی آگ میں ڈال دیا۔ نتیجے میں ہو لیکا آگ میں جھلس گئی لیکن اس کے بھائی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اسی واقعے کی یاد میں ہندو ہولی کا تہوار مانتے ہیں۔ اس واقعے کو مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ مسلمان اس واقعے کو حضرت ابراہیمؑ کے واقعے سے ماخوذ سمجھتے ہیں جنہیں نمرود بادشاہ نے آگ میں ڈال دیا تھا مگر اللہ کے حکم سے نمرود کی جلائی ہوئی آگ ان پر ٹھنڈی پڑ گئی۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہو لیکا ایک راکھشسنی تھی جسے کسی جرم کی سزا کے طور پر شیو دیوتا نے آگ میں ڈال دیا تھا۔ ہولی کے دن آگ کا بہت بڑا الاؤ بھی روشن کیا جاتا ہے۔ غالب گمان ہے کہ یہ آگ کا الاؤ روشن کرنا ہو لیکا کی یاد میں ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ پھاگن کے مہینے میں سری کرشن جی بندرابن میں ہولی کھیلتے تھے اسی وجہ سے اس تہوار کا نام پھاگ پڑ گیا اور پھاگن کے مہینے میں کرشن اور گوپیاں ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے تھے اس لیے ہولی میں ایک دوسرے پر رنگ پھینکنا مقدس عمل مانا جاتا ہے۔ کرشن اور گوپیوں کے حوالے سے بھی یہ تہوار اہمیت کا حامل ہے۔ ایک اور تاریخی روایت کے مطابق یہ تہوار تب منایا جاتا تھا جب کسان اپنی فصل اور اس کی کٹائی سے فارغ ہو جاتے تھے اور اپنی تھکاوٹ اتارنے کے لیے چند دن خوشی کے لیے وقف کرتے تھے۔ ہولی سردیوں کے اختتام پر منائی جاتی ہے اس زمانے میں کاشتکار بیجائی کے کام نمٹا چکا ہوتا ہے اور کچھ ہی دنوں میں گرمی شروع ہوتے ہی فصل پکنے لگے گی اور فصلوں کی کٹائی، گہائی اور صفائی کے لیے کسان کو دن رات محنت کرنا پڑے گی۔ جنوری مارچ کے چند دن ہی دراصل کسان کے پاس تفریح و تفنن کے لیے بچتے ہیں۔ چناچہ ہولی کا تیوہار انھیں دنوں میں پڑتا ہے۔ رنگ کھیلنا خوشی کا بنیادی رمز ہے۔ ملازم اپنے آقاؤں سے بے نیاز ہو

جاتے ہیں۔امیر، غریب، بچے، بوڑھے سب آزاد ہوتے ہیں، مرد عورتوں پر اور عورتیں مردوں پر رنگ چھڑکتی ہیں اور اس سلسلے میں ہر قسم کی پابندیوں کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ جگہ جگہ عبیر اور گلال کی بارش ہوتی ہے اور گلی کوچے رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دیوالی:

دیوالی ہندوؤں کا سب سے اہم تہوار ہے اور یہ تہوار ہندو بڑے مذہبی جوش وجذبے کے ساتھ ہر سال مناتے ہیں۔دیوالی کو روشنی کا تہوار بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن ہر جگہ، ہر مکان، بازار اور چھتوں پر روشنی کی جاتی ہے۔ یہ تہوار ہندی کیلنڈر کے مطابق "کارتک" کے مہینے میں اور اماوس کی کالی رات یا پھر نئے چاند کی رات کو منایا جاتا ہے۔ عیسوی کیلنڈر کے مطابق اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں اس تہوار کی تاریخ آتی ہے۔دیوالی کے بارے میں "تلمیحاتِ غالب" کے مصنف لکھتے ہیں:

> "دوالی ہندوستان کا مشہور تہوار ہے جو جشنِ چراغاں کی وجہ سے "دیپ والی" کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔یہ تہوار کارتک کی پندرہ تاریخ کو منایا جاتا ہے۔اس دن آفتاب اور ماہتاب کا بُرجِ میزان میں اجتماع ہوتا ہے۔لوگ غسل وآرائش کرکے لکشمی دیوی کی پوجا کرتے ہیں۔یہ قسمت اور دولت کی دیوی ہے۔اِس دن کو "یومِ بل راج" بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اسی دن لکشمی بیروجن کے بیٹے بل کو پاتال کی قید سے چھڑاتی ہے۔راجہ بلؔ چونکہ خیر و نیکی کے زمانہ ست یگ میں تھا اسی لیے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔"(4)

روشنیوں کے اس تہوار کے منائے جانے کے پس پردہ بہت سے اساطیری کہانیاں موجود ہیں۔رامائن کی ایک روایت کے مطابق دیوالی والے دن ایودھیا کے راجہ شری رام چندر جی، لنکا کے ظالم بادشاہ "راون" کو قتل اور اپنی بیوی سیتارانی کو واپس لے کر ایودھیا آئے تھے اور ان کے لوٹنے کی خوشی میں یہ تہوار ان کے بھکتوں نے منانا شروع کیا جسے آج بھی لوگ اسی عقیدت اور احترام کے ساتھ یاد رکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ کرشن دیوتا کے پیروکاروں کا یہ کہنا ہے کہ اس دن شری کرشن نے مہابھارت کی جنگ میں ظالم راکھشس کو موت کے گھاٹ اتارا تھا جس کی وجہ سے لوگوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور پھر اسی خوشی کو منانے لیے اس تہوار کا انتخاب کیا گیا۔دیوالی ہندوؤں کے علاوہ دیگر مذاہب میں اہمیت کا حامل تہوار ہے جیسا کہ جین مذہب والے اس بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس دن مہاویر کو نروان حاصل ہوا تھا

۔ سکھ بھی اپنے گرو گوبند سنگھ کی جیل سے رہائی کی یاد میں اس تہوار کو مناتے ہیں۔ دیوالی کے تہوار کے بارے میں علی عباس جلال پوری لکھتے ہیں:

"کاتک میں دیوالی کا تہوار مناتے ہیں جو ویشنوؤں کا سب سے بڑا تہوار ہے۔ مٹھائی سے لکھشمی دیوی اور کویر دیوتا (دولت کا دیوتا) کی پوجا کرتے ہیں۔ رت جگا جوا کھیل کر گذارتے ہیں۔ سب لوگ گھروں کی منڈیروں پر چراغ روشن کر کے رکھتے ہیں۔ قدیم زمانے کی اکثر قوموں میں جشنِ چراغاں کا رواج تھا۔ اسے فنیقیہ میں مشعلوں کا جشن کہتے تھے۔ مقدس درختوں پر قیمتی چڑھاوے آویزاں کرتے تھے۔ یہ جشن عشتر تی کے مندر میں منایا جاتا تھا۔"(5)

قرۃالعین حیدر کے ناول "سفینہ غم دل" سے "دیوالی" کے بارے میں مثال ملاحظہ کیجیے:

"ہم پلہ والدین کی بیٹیاں۔ جرنلسٹ۔ آرٹسٹ۔ کلاسیکل ڈانسر۔
انٹر کیمونل شادیاں اگر بہت اونچے طبقے میں ہو رہی تھیں فریقین کے ہم رتبہ ماں باپ عموماً خاموش رہتے تھے بچوں کے نام مبہم قسم کے کبیر، راہل، سمیر، مونا، سیما یا رُوسی نینا، میرا، زویا، ثاشا رکھے جاتے۔ عید دیوالی بطور تہذیبی تقریبات ان کے گھروں پر منائی جاتیں۔"(6)

دیوالی کے تہوار کے لیے بڑی محنت اور لگن سے تیاریاں کی جاتی ہیں۔ اسے عیدِ چراغاں بھی کہتے ہیں۔ روحانی اور مذہبی اعتبار سے یہ تہوار اندھیرے پر روشنی کو، جہالت پر علم کو، بُرائی پر اچھائی کو اور مایوسی پر اُمید کی فتح و کامرانی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس تہوار کے لیے نو (9) دن پہلے ہی سے شروع کر دی جاتی ہیں۔ اس تہوار کی رسومات کا سلسلہ تقریباً پانچ (5) دن جاری رہتا ہے۔ دیوالی کی رات آنے سے پہلے ہندو اپنے گھروں کی مرمت، تزئین و آرائش اور صفائی ستھرائی شروع کر دیتے ہیں اور دیوالی کی رات کو نئے کپڑے پہنتے ہیں، گھروں میں دیے جلائے جاتے ہیں اور خوب چراغاں کیا جاتا ہے۔ آج کل روایتی چراغوں کی بجائے بجلی کے قمقمے ہر طرف آویزاں کیے جاتے ہیں۔ گھروں، بازاروں، گلیوں اور مندروں کو خوب روشن کیا جاتا ہے۔ لکشمی دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔ پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں اور پھر گھر والوں اور دیگر دوست احباب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا جاتا ہے اور طرح طرح کی مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔ دیوالی صرف ایک تہوار نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کئی ایک مختلف نوعیت کے تہوار اور رسومات بھی منائی جاتی ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں یہ عقیدہ بھی ہے کہ روحوں اپنے گھروں کا چکر لگاتی رہتی ہیں اس لیے وہ دیوالی کے موقع پر ان کے لیے ضیافت اور کھانے کا اہتمام کرتے ہیں اور مختلف کھانے اور پکوان پکوائے جاتے ہیں۔ پُرکھوں کی رُوحوں کی ضیافت بھی قدیم مذاہب کی یادگار ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ دیوالی پر پُرکھوں کی رُوحیں اپنے اپنے گھر کا چکر لگاتی ہیں اس لئے اِس تہوار پر طرح طرح کے پکوان اور مٹھائیاں بنوا کر اُن کی ضیافت کی جاتی ہے۔ برہمن منتر پڑھ کر یہ کھانے روحوں کو پہنچاتے ہیں اور پھر خود شکم سیر ہو کر کھاتے ہیں۔

بسنت:

بسنت ہندوؤں کا موسم بہار میں منائے جانے والا اہم تہوار ہے اور یہ ہندوستان کے علاوہ دنیا کے کئی ممالک میں بھی مشہور و معروف ہے۔ یہ تہوار ہندی مقدس مہینے ماگھ کی پانچ (5) تاریخ کو بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے اور تقریباً ہر خطے اور علاقے کے لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے موسموں کے اعتبار سے تہوار منانے کے پیچھے ان کی مذہبی فکر کا کافی عمل دخل ہے اور برہمنوں نے ہندو مذہب میں تہواروں کا جال بچھا کر اپنی مذہبی پیشوائیت کو استحکام دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ بسنت کے حوالے سے فرہنگِ آصفیہ کے یہ الفاظ ملاحظہ کیجئے:

> "اہل ہند اس موسم کو مبارک اور اچھا سمجھ کر نیک شگون کے واسطے اپنے اپنے دیوی، دیوتاؤں اور اوتاروں کے استھانوں میں مندروں پر ان کے رجھانے کے لئے بہ تقاضائے موسم سرسوں کے پھولوں کے گڑوے بنا کر گاتے، بجاتے، لے جاتے اور اس میلے کو بسنت کہتے ہیں، بلکہ یہی وجہ ہے کہ زرد رنگ کو اس سے مناسبت دینے لگے۔"(7)

بسنت کے بارے میں قراۃ العین حیدر اپنے ناول "آگ کا دریا" میں لکھتی ہیں:

> "ارے آج تو یہاں بسنت کا میلہ ہے۔" طلعت نے خوش ہو کر کہا۔
>
> "آج معلوم ہوتا ہے سلطان عالم اوپیرا بھی کر رہے ہیں۔" نرملا نے کہا۔ "چلیں اندر۔۔؟"۔(8)

"پکھراج پری گا رہی تھی:

رُت آئی بسنت

بہار

کھلے جَرد پھول، بردن

کے ہار

ہر کے دوار مالی کا

چھورا

گر اڈارت گیندن کے

ہار"(9)

"چاندنی بیگم "کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اے نُورن بٹیا۔بسنت آنے والی ہے اب کے سے ہماری بہو کے لیے ایک دو دوپٹے رنگ دینا جاڑے تو سمجھ نکل گئے۔"انگوری نے بایاں ہاتھ پیچھے کمر پر اُلٹا دھرا اور صفائی میں مشغول ہو گئی۔سَر سَر سَر سَر۔"(10)

ویدوں کی روایت کے مطابق اس کا تعلق سرسوتی دیوی کے ساتھ جوڑا جاتا ہے کیونکہ وہ علم وفن، موسیقی اور فن کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔ سنسکرت زبان میں "بسنت" کے لفظی معنی بہار کے ہیں۔اس کو بسنت پنچمی بھی کہا جاتا ہے۔اس دن خوشی منائی جاتی ہے اور سرسوتی دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔خوشی کے اظہار کے لیے نئے کپڑے پہنے جاتے ہیں اور پتنگیں اڑائی جاتی ہیں اور موسیقی سے لطف حاصل کیا جاتا ہے۔نذیر احمد چوہدری اپنی کتاب "بسنت۔لاہور کا ثقافتی تہوار" میں لکھتے ہیں:

اگر عالمی تہذیبوں کا جائزہ لیا جائے تو ہندو تہذیب میں 'تہوار' منانے کا رجحان غالباً دیگر تمام تہذیبوں سے زیادہ ہے۔اس کی شاید ایک وجہ ہندو مذہب کا مخصوص فلسفہ عبادت ہے۔ رسومات اور اوہام کو جس طرح ہندو مذہب میں یکجا کر دیا گیا ہے، شاید ہی دنیا کا کوئی مذہب یہ امتیاز رکھتا ہو۔قدیم آریہ سال کو چھ موسموں میں تقسیم کرتے تھے،اس طرح دو مہینوں کا موسم بناتے تھے۔ سنسکرت زبان کے مشہور شاعر کالی داس نے 'ریو سنگھار' کے نام سے ایک کتاب

> لکھی ہے جس میں ان چھ موسموں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ کالی داس کی ایک نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ بسنت رت آتی ہے تو ندی نالے جو جاڑے کے موسم میں سوئے رہتے ہیں یکایک جاگ اٹھتے ہیں۔ آم پر بور ہوتا ہے، عشق کا دیوتا مدن بھٹکے دلوں کا شکار کرتا پھرتا ہے۔"(11)

بسنت کا تہوار ہندوؤں کے علاوہ دیگر اقوام اور مذاہب کے لوگ بھی مناتے ہیں۔ دراصل یہ تہوار موسم بہار کی آمد کے موقع پر منایا جاتا ہے اسی لیے بہار کی آمد سے موسم میں تبدیلی آتی ہے اور باغوں میں نئے اور قسم قسم کے پھول کھلتے ہیں۔ سردی کا موسم کوسوں دور چلا جاتا ہے اور انسان ہلکے اور شوخ کپڑے پہن کر اس تہوار کی آمد سے لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں۔ آج کل تو بسنت کا نام سنتے ہی پتنگ بازی ذہن میں آتی ہے اور لوگ گھروں کی چھتوں پر، کھلے میدانوں میں اور سمندر کے کناروں پر پتنگیں اڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس مذہبی فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اسے ایک مذہب کی دوسری مذہب کے خلاف سازش بھی تصور کرتے ہیں۔ بہر حال یہ ایک علمی اور قابل بحث مسئلہ ہے۔

جنم اشٹمی:

یہ تہوار سری کرشن مہاراج کی پیدائش کی یاد میں منایا جاتا ہے اور ہندی مہینے بھادوں میں ہندو اس تہوار کو بڑے جوش و خروش سے بطور کرشن جنم اشٹمی مناتے ہیں۔ جنم اشٹمی کو گوکل اشٹمی یا صرف جنم اشٹمی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تہوار ہندوستان کے علاوہ تبت، بلوچستان، بھوٹان اور دنیا کے مختلف ممالک جہاں ہندو بستے ہیں، منایا جاتا ہے۔ ہندو اساطیری روایات میں کرشن کو وشنو دیوتا کا آٹھواں اوتار مانا جاتا ہے۔ کرشن کی والدہ کا نام دیوکی اور والد کا نام واسدیو تھا۔ جن کا تعلق متھرا کے حکمران چندر ونشی خاندان سے تھا۔ مگر اس زمانے میں چندر ونشیوں کی کسی غلطی کی وجہ سے متھرا کی حکومت ایک راکشس کنس کے ہاتھ میں آ گئی جو بہت ظالم اور سنگ دل بادشاہ تھا۔ عوام اس کی زیادتیوں اور مظالم کی وجہ سے سخت تنگ تھی۔ کنس کو اس کے نجومیوں نے خبر دی تھی کہ دیوکی اور واسدیو کا لڑکا تجھے قتل کرے گا اور متھرا کو اس کے قہر و جبر سے نجات دلوائے گا اور واسدیو کا آٹھواں بیٹا ہوگا۔ یہ سن کر اس نے واسدیو اور دیوکی کو قید کر لیا۔ چنانچہ دیوکی کے کئی حمل کے لڑکے اس نے مار ڈالے۔ آخری حمل میں سری کرشن جی ظاہر ہوئے۔ خدا کو منظور تھا وہ اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔ چنانچہ وہ عجیب طریقے سے محفوظ رہے۔ ان کے ظہور میں آتے ہی قید کی زنجیریں ڈھیلی پڑ گئیں اور پہرہ دار بھی سو گئے۔ واسدیو نے قدرت کا اشارہ سمجھ لیا اور راتوں رات جمنا پار کر کے گوکل گئے اور وہاں کے ایک چرواہے نند لال کی بیٹی سے جو اسی رات پیدا ہوئی تھی کرشن سے بدل لیا اور واپس آ گئے۔ دوسرے روز کنس نے اس بچی کو واسدیو کی اولاد سمجھ کر

قتل کروا دیا لیکن شری کرشن گوکل میں نند لال کے گھر میں حفاظت کے ساتھ پرورش پاتے رہے۔ جوان ہونے پر بھی کنس نے بہت تدبیریں کیں کہ ان کو قتل کرڈالے مگر اس کا بس نہیں چلا اور آخر کار وہ خود سری کرشن جی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ قرۃ العین حیدر اس حوالے سے لکھتی ہیں:

> "کلکتے کا انگریزی دان برہمن کلرک لکھنؤ کے جادو میں گرفتار ہو گیا، دن گذرتے گئے۔ بارشوں کی وجہ سے کلکتے تک کے راستے بند تھے۔ جنم اشٹمی کا تہوار آیا۔ بھادوں کا مہینہ آیا۔ اماوس کی راتیں جب چمپا اپنی صحنچی میں بیٹھ کر گوڑ ملہار گاتی۔ جب کنجوں میں کرشن کنہیا کے لئے جھولے ڈالے گئے۔ برج کے رہس دھاریوں نے کرشن لیلا کے سوانگ تیار کئے۔ چمپا رادھا بنی۔ کبھی چمپا کو گوتم نیلمبر نے ہز میجسٹی شاہ زمن غازی الدین حیدر کے دربار میں دیکھا جہاں وہ آواز کے شعبدے دکھاتی تھی، اس نے چمپا کو جمعرات کے روز درگاہ حضرت عباس جاتے دیکھا۔ میلوں اور باغوں میں دیکھا۔ گومتی پر بجرے میں تیرتے دیکھا، ہر طرف چمپا تھی۔"(12)

> "ہم لوگ یاترا پہ جا رہے تھے۔" میرا نے اسی سادگی سے جواب دیا۔ "ہر سال جنم اشٹمی کے بعد ممی یاترا کے لئے جاتی ہیں اور ابھی اسٹیلا وغیرہ جو ادھر سے گذریں وہ سب لوگ یہاں اپنے کیمپ پر آئے ہوئے تھے۔ علی کے ماموں اس ضلع کے ایس پی ہیں یعنی اسٹیلا کے والد۔۔۔ ابھی ابھی ڈاک بنگلے سے میں ان لوگوں سے ٹیلی فون پر باتیں کی ہیں۔ وہ سب خیریت سے اگلے پڑاؤ پر پہنچ چکے ہیں۔"(13)

کرشن چونکہ دیویکا کا آٹھواں بیٹا تھا اور باقی سب بچوں کو کنس بادشاہ نے نجومیوں کے کہنے پر قتل کروا دیا تھا اسی لیے ہندوؤں کے ہاں آٹھ کا ہندسہ مقدس ہندوسوں میں شمار ہوتا ہے۔ ہندو کیلنڈر کے مطابق یہ آٹھویں مہینے میں یا پھر اس مہینے کے آخری دن نئے چاند یا پھر پورے چاند کے دن منایا جاتا ہے۔ شمسی کیلنڈر کے مطابق یہ تہوار اگست یا ستمبر کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ وشنومت کی روایات میں یہ تہوار بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس تہوار میں کرشن کی زندگی پر مبنی ناٹک اور رقص پیش کیا جاتا ہے اور مختلف قسم کی موسیقی بھی پیش کی جاتی ہے۔ اپواس یعنی روزہ بھی رکھا جاتا ہے۔ ہندو اس دن خاص قسم کے کھانے تیار کرتے ہیں۔ وشنو اور کرشنا کے مندروں میں جا کر اس کی پوجا کرتے ہیں اور جنم بھومی مناتے ہیں۔

بھگوت گیتا کے بجن گاتے ہیں اور راس لیلا یا کرشن لیلا کے ناٹک پیش کرتے ہیں۔اس کے علاوہ موجودہ دور میں یہ تہوار مختلف علاقوں میں مختلف روایات اور رسومات کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

ناگ پنچمی:

ہندو تہذیب اور مذہب میں سانپ کو بہت اہمیت حاصل ہے اور ناگ دیوتا کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ہندو ہریالی تیج تہوار کے کچھ دنوں بعد ناگ پنچمی کا تہوار مناتے ہیں جس میں سانپوں کو دودھ اور اعلیٰ قسم کا کھانا پیش کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ناگ دیوتا کے مندروں میں بھجن گائے جاتے ہیں اور اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ناگ پنچمی کے تہوار کے بارے میں علی عباس جلال پوری کہتے ہیں:

> "ناگ پنچمی ساون کی پانچویں کو منایا جاتا ہے اور ناگ کی مورتی کی پوجا کی جاتی ہے کیوں کہ ان دنوں سانپ کے ڈسنے کا خطرہ ہوتا ہے۔"(14)

ناگ پنچمی کے حوالے سے ہندی اساطیری کہانیوں میں لکھا ہے کہ اس روز شری کرشن مہاراج نے دریائے جمنا میں نہانا تھا اور کالی ناگ نے انھیں نہیں کاٹا اس لیے ہندو شکریہ کے طور پر سانپوں کو دودھ پلاتے ہیں۔جبکہ بعض دوسری روایات میں درج ہے کہ سمندر منتھن کے وقت سانپ کی رسی بنائی گئی تھی جس کی وجہ سے سمندر سے چودہ عناصر یا جواہرات باہر نکل آئے۔اسی بنا پر ہندو سانپ کو مقدس مانتے ہیں۔

ایک اور کہانی میں یہ بیان ہوا ہے کہ مہادیو نے زہر پینے کے بعد اپنے سارے جسم پر سانپ لپیٹ لیے تھے جس کی وجہ سے ان کے جسم میں جو زہر داخل ہوا تھا اس کا اثر کم ہونا شروع ہو گیا اس لیے اس واقعے کی یاد میں ناگ پنچمی تہوار منایا جاتا ہے۔بعض محققین اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ چونکہ سانپ کے جسم کا آدھا حصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور غالب گمان ہے کہ اس ٹھنڈک کی وجہ سے مہادیو یعنی شیو دیوتا کے جسم پر زہر نے اثر نہیں کیا۔بعض سانپوں کے ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ سانپوں کے اندر قدرت نے یہ خاص صلاحیت رکھی ہوئی ہے کہ وہ زہریلی مادے یا ہوا کو کھینچ کر اپنے جسم کے اندر جذب کر لیتے ہیں اور یہ زہریلے مادے ان کے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔

سانپوں کے بارے میں اکثر بزرگ یہ باتیں کرتے ہیں کہ سانپ کی عمر جب سو سال سے زیادہ ہو جائے تو وہ کوئی بھی روپ دھار سکتا ہے اور ناگ منی جیسی قیمتی چیز کو اکثر لوگ اور جوگی حاصل کرنے کے لیے کئی سال تک اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ہندو بھی اس عقیدے کو مانتے ہیں کہ سانپ اپنی عمر سو سال پوری کرنے کے بعد انسان

کی شکل اختیار کر سکتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہاں سانپ ہوتے ہیں وہاں خزانہ ضرور ہوتا ہے۔قراۃالعین حیدر کے ناول سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"یہ لو۔۔۔بھکشو نے کہااور خالی ہاتھ اس کی طرف بڑھادیا۔

یہ کیا ہے؟

دودھ کا گلاس۔۔جاؤ جاکر پرستش کرو۔کیسی کیمونسٹ ہمدرد ہو۔پوجا پاٹ نہیں کرتیں۔کہیں بیٹی تم کیمونسٹ تو نہیں ہو گئیں؟

کس کی پرستش؟

اپنی۔۔ہم سب اپنی اپنی پرستش کرتے ہیں۔

مگر آج تو ناگ پنچھمی ہے

ہاں۔

کون سی؟کس صدی کی ناگ پنچھمی۔۔۔۔؟

ازل سے ابد تک۔محض ایک لمحہ۔۔۔۔وہ انگلی اٹھا کر مسخروں کی طرح ناچنا شروع کر دیتا ہے۔

وہ خالی ہاتھ اس طرح اٹھائے گویا انجلی تھامے ہو۔وزنی قدموں سے پھر گورکھ املی کی سمت چلی۔جنگل کا جنگل جگمگا رہا ہے۔"(15)

اس تہوار کو منانے کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس روز ستی دیوی بھگوان شنکر کو کئی برس کی جدائی کے بعد ملی تو انھوں نے خوش ہو کر کہا کہ جو کوئی بھی اس شبھ دن میں کوئی بھی دعا مانگے گا اس کی دعا ضرور قبول ہو گی۔ہندو اس حوالے سے یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ چونکہ ان کے ملک میں سانپ زیادہ ہوتے ہیں اور سانپ ہی سب سے زیادہ انسان کے خطرناک دشمن ہوتے ہیں اور کھیتوں اور میدانوں میں کام کرتے وقت انھیں ڈس سکتے ہیں اسی لیے اپنے بچاؤ کے لیے وہ سانپوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور انھیں دودھ پلاتے ہیں تاکہ وہ بھوکے نہ ہوں اور انھیں کوئی تکلیف یا نقصان نہ پہنچائیں۔سانپوں کی کئی اقسام ہوتی ہیں اور سب سے بڑے ناگ کو شیش ناگ کہا جاتا ہے۔

بھیا دوج/رکھشا بندھن:

رکھشا کے معنی حفاظت اور بندھن کے معنی رشتہ کے ہیں۔ رکھشا بندھن ایک ہندوستانی تہوار ہے جو ہر سال ہندی ماہ شراون میں منایا جاتا ہے۔ اور عیسوی کیلنڈر کے مطابق یہ تہوار جولائی اور اگست کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ اس تہوار میں سب سے زیادہ اہمیت "راکھی" یا رکھشا سوتر کی ہوتی ہے۔ راکھی مختلف رنگوں کے دھاگے سے بنی ہوئی ایک ڈوری ہوتی ہے اس میں رنگین اور ریشمی دھاگے بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور ہندو لوگ اپنی استطاعت کے مطابق راکھی بناتے اور خریدتے ہیں۔ اس حوالے سے قراۃ العین حیدر اپنے ناول "آگ کا دریا" میں لکھتی ہیں:

> "پھر بھیا دوج کا تہوار آیا۔ ہری شنکر قالین پر چڑھایا۔ بیٹھا تھا اور نرملا اس کے ماتھے پر تلک لگا کر اس کے سامنے مٹھائی پروس رہی تھی۔ گنگا کے بھائی یم کی طرح میرا بھیا امر رہے۔ اس نے منتر دہرایا، پھر اگہن اور پوس کے پالے نے درختوں پر چاندی کے پتر چڑھا دیئے۔ گاؤں میں نوٹنکیوں کے گیت گونجے۔ جو پالوں میں مہابھارت کے قصے دہرائے گئے۔ سفید اٹنگی ساریاں پہنے عیسائی عورتیں گاتی پھریں: اوہو مسیح آیا سر آسمان۔۔۔۔ سر آسمان، سر آسمان۔"(16)

اس تہوار کے دن صبح سویرے لڑکیاں اور خواتین پوجا کی تھالی ترتیب دیتی ہیں۔ تھالی میں راکھی کے ساتھ ،ہلدی، چاول اور مٹھائی بھی رکھی جاتی ہے۔ اس دن مختلف مقامی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے اور اس کے بعد بہنیں اپنے بھائیوں کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر راکھی باندھتی ہیں اور ان کے ماتھوں پر تلک بھی لگاتی ہیں اور اس کی لمبی عمر کے لیے دعائیں کرتی ہیں۔ اس موقع پر بھائی بھی بدلے میں اپنی بہنوں کو تحفے اور پیسے دیتے ہیں اور اس کی حفاظت کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خوبصورت تہوار ہے جس میں بھائی اور بہن کے مقدس رشتے کو مزید تقویت دی جاتی ہے اور معاشرے میں اس کے مقام اور احترام کا پرچار بھی کیا جاتا ہے۔

اس تہوار میں عام طور پر سگی بہنیں ہی اپنے بھائیوں کو راکھی باندھتی ہیں لیکن بعض اوقات منہ بولے بھائیوں کو بھی راکھی باندھی جاتی ہے اس حوالے سے کوئی پابندی ہندو مذہب میں نہیں ہے۔ پرانوں کی روایت کے مطابق بیوی کا شوہر کو بھی راکھی پہنانے کا ذکر ملتا ہے اور وشنو پران کی پانچویں کتاب کے پانچویں باب میں ہے کہ کرشن کی منہ بولی ماں یشودھا نے کرشن کو راکھی پہنائی۔ اس لیے ہندو مذہب میں اس تہوار کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔

شیوراتری:

شیوراتری تہوار ہندوؤں کے دیوتا شیو کے ساتھ عقیدت کے طور پر منایا جاتا ہے اور اسے مہا شیوراتری بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ہندوؤں کا ایک اہم تہوار ہے جو تقریباً تمام فرقے کے ہندو مناتے ہیں۔ یہ تہوار ماگھ کے مہینے کی تیرہویں تاریخ کی رات اور اگلے دن تک منایا جاتا ہے اور عیسوی کیلنڈر کے مطابق یہ دن فروری یا مارچ کے مہینے میں آتا ہے۔ اس تہوار سے کئی اساطیری اور دیومالائی قصے کہانیاں بھی منسوب ہیں۔ ایک اساطیری کہانی کے مطابق اس دن شیو دیوتا نے لنگ کی صورت اختیار کی تھی اور دوسری روایت کے مطابق اس دن شیو دیوتا نے "تانڈیا نرتیا" نامی ایک خاص رقص کیا تھا۔ یہ رقص اپنی مقبولیت کے لحاظ سے آج بھی ہندوستان میں رائج ہے اور لوگ بڑے جوش و خروش سے اسے سیکھتے بھی ہیں اور شیوراتری تہوار کے دن مندروں میں یہ رقص پیش بھی کیا جاتا ہے۔

ایک اور اساطیری روایت کے مطابق اس دن شیو کی پاروتی دیوی سے شادی ہوئی تھی۔ جو قصہ اساطیری روایات میں زیادہ مشہور و معروف ہے اس کے مطابق اس دن ایک شکاری جنگل میں شکار کر رہا تھا اور اس نے کئی جانوروں اور پرندوں کا شکار کر لیا تھا لیکن اچانک ایک بھوکا شیر اس کے پیچھے پڑ گیا۔ شکاری اپنی جان بچانے کے لیے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ وہاں شکاری نے چند پتے درخت سے نیچے گرائے جو درخت کے نیچے موجود شیو لنگ پر گرے۔ ہندو اس درخت کو مقدس درخت خیال کرتے ہیں کیونکہ اس کی شیو دیوتا سے نسبت کا آثار موجود ہیں۔ بہر حال شیو شکاری کے اس عمل سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اس شکاری کی مدد کی اور اس کی شیر کے چنگل سے جان بچائی۔ اس کے علاوہ بھی کئی دیگر روایات اس دن اور اس تہوار کے حوالے سے موجود ہیں۔ اس تہوار کے بارے میں قراۃ العین حیدر لکھتی ہیں:

"کمہاروں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مٹی کی مورت میں بھی انہیں خدا کا جلوہ نظر آیا، پھر پھاگن کی رُت آئی۔ شوراتری کی تیاریاں کی گئیں۔ نرملا نے سنگھاڑے والی کوٹھی کے ٹھاکر دوارے میں بلوا کر پتیاں، دھتورہ اور چاول تھالی میں رکھ کر شو کی آرتی اتاری۔"(17)

کس ندی کی لہروں نے اسے اپنی اور کھینچا؟ یہ کون بتا سکتا تھا؟ ان گنت تہوار آئے اور نکل گئے ۔ رکھشا بندھن اور بھیا دوج اور جنم اشٹمی اور ہولی اور دیوالی اور محرم اور رام لیلا۔ کسی ہنگامے کسی

میلے کسی گاؤں کسی بستی میں وہ نظر نہ آئی، وہ سارے میں مارا مارا پھرا، ایک دو بار وہ ایودھیا گیا، اس کا جی چاہتا تھا کہ عمر انہیں سبزہ زاروں، سرجو اور گنگا کے ان ہی ساحلوں پر گذار دے۔"(18)

شیوراتری کی رات اور سارا دن شیو کی پوجا کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور شیو دیوتا کی شان میں بھجن اور منتر پڑھے جاتے ہیں۔اس دن شیو کے ماننے والے اپواس رکھتے ہیں اور بیل کی قربانی شیو کے چرنوں میں پیش کرتے ہیں۔ شیو دیوتا کے عقیدت اور محبت کا اظہار کیا جاتا ہے اور شیو کو راضی کرنے کے لیے شیولنگ کی پوجا کی جاتی ہے اور اسے غسل دیا جاتا ہے یہ غسل عموماً گنگا کے پانی سے دیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ شیولنگ کے اوپر دودھ چڑھایا جاتا ہے۔اس کے لیے نئے نئے کپڑے لائے جاتے ہیں جسے مندر کا پروہت قبول کرلیتا ہے اور اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ شیو کے مندروں میں سارا سارا دن "اوم نماہ شیوا" کے نعرے گونجتے رہتے ہیں اور گھنٹے بجتے رہتے ہیں۔

ہندو معاشرے اور سماج میں تہواروں کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور یہ تہوار ان کی زندگی کے اہم کاموں میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں اور اکثر ہندو نیا کاروبار بھی ان تہواروں کی مناسبت سے شروع کرتے ہیں۔ان تہواروں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ صدیوں سے اسی مذہبی جوش و خروش سے منائے جاتے ہیں اور ان میں ذرا برابر بھی فرق نہیں آیا ہے ۔یہ تہوار مذہب کے ساتھ ساتھ ہندو سماج میں بھی رچ بس گئے ہیں جس کی بنیادی وجہ ہندوؤں کی اپنے مذہب سے بے حد عقیدت ہے۔درج بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان تہواروں کے پس پردہ وہ عوامل اور اساطیری و دیومالائی قصے کہانیاں ہیں جو ہندو مذہبی اور تاریخی کتابوں میں درج ہیں۔ لیکن ان روایات میں اختلاف بھی موجود ہے۔ان اساطیری روایات نے ہندو تہذیب اور ثقافت کو صدیوں سے مظبوط بنائے رکھا ہے۔اُردو ادب میں ان اساطیری روایات کی بدولت ہندو مذہب اور معاشرے کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

حوالہ جات

ا۔سبطِ حسن، ماضی کے مزار، مکتبہ دانیال، کراچی، 2018ء، ص 103

۲۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو غزل اور ہندستانی ذہن و تہذیب، مکتبہ جمال، لاہور، 1998ء، ص 317

۳۔قراۃ العین حیدر، چاندنی بیگم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2017ء ص 15

۴۔ محمود نیازی، تلمیحاتِ غالب، غالب اکیڈمی، نظام الدین، نئی دہلی، جون 1972ء، ص115
۵۔ جلال پوری، علی عباس، رسوم اقوام، تخلیقات، لاہور، 2010ء، ص115
۶۔ قراۃ العین حیدر، سفینہ غمِ دل، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص165
۷۔ سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگِ آصفیہ (جلد اول)، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، 1967ء، ص267
۸۔ قراۃ العین حیدر، آگ کا دریا، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2018ء، ص290
۹۔ ایضاً، ص249
۱۰۔ چاندنی بیگم، ص424
۱۱۔ نذیر احمد چوہدری، بسنت: لاہور کا ثقافتی تہوار، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2001ء، ص77
۱۲۔ آگ کا دریا، ص151
۱۳۔ سفینہ غمِ دل، ص72
۱۴۔ رسوم اقوام، ص153
۱۵۔ آگ کا دریا، ص276
۱۶۔ ایضاً، ص277
۱۷۔ سفینہ غم دل، ص193
۱۸۔ آگ کا دریا، ص114